میر تقی میرؔ

میرؔ کے حالات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ میرؔ اپنی غزل گوئی کے لیے زیادہ مشہور ہیں لیکن ان کی مثنویاں بھی اردو شاعری میں بلند مقام رکھتی ہیں۔ میرؔ نے کئی طرح کی مثنویاں لکھی ہیں۔ ان میں وہ مثنویاں سب سے اچھی مانی جاتی ہیں جن میں کوئی عشقیہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔ میرؔ کو کہانی بیان کرنے میں زیادہ مہارت نہیں لیکن وہ اس کمی کو اعلا درجے کی منظر نگاری اور عشقیہ یا صوفیانہ خیالات کو ادا کرکے پوری کر لیتے ہیں۔ "دریاے عشق" کے جو ٹکڑے ہمارے سامنے ہیں ان میں پہلا وہ ہے جس سے مثنوی شروع ہوتی ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انسانوں کی زندگی اور ان کے معاملات میں عشق کی کارفرمائی کا اس سے بہتر بیان اردو شاعری میں نہیں ملتا۔ میرؔ ہم کو بتاتے ہیں کہ عشق ہر رنگ میں اور ہر جگہ موجود ہے اور وہ دلوں کی دردمندی کا سرچشمہ ہے۔

میرؔ نے یہ مثنوی دلّی چھوڑنے کے پہلے یعنی 1782 کے پہلے لکھی تھی۔ اس میں ان کا شاعرانہ کمال پوری طرح نظر آتا ہے۔ اس مثنوی میں ایک چالاک دایہ نوجوان عاشق کو دریا میں ڈوب جانے کی ترغیب دیتی ہے۔

لڑکی کی ایک جوتی دریا میں پھینک کر وہ عاشق سے کہتی ہے کہ اگر غیرت مند عاشق ہو تو اس جوتی کو لے آؤ، نہیں تو تمھاری محبوبہ کو ننگے پاؤں چلنا ہوگا۔ نوجوان عاشق اس بہانے موت کے گھاٹ اُتر جاتا ہے، لیکن لڑکی بھی دوبارہ دریا پر پہنچتی ہے اور موجوں میں چھلانگ لگا دیتی ہے۔ اس مثنوی میں دریا اور دریا میں ڈوبنے کے مناظر بے مثال خوب صورتی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کا نام "دریائے عشق" بھی خوب ہے۔

(1)

عشقِ تازہ کار

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال — ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا — کہیں سینے میں آہِ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے ہو کے خون بہا — کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
کہیں رونا ہوا ندامت کا — کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا
گہ نمک اس کو داغ کا پایا — گہ پتنگا چراغ کا پایا
واں طپیدن ہُوا جگر کے بیچ — یاں تبسّم ہے زخمِ تر کے بیچ
کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے — کہیں یہ خوں چکاں حکایت ہے
تھا کسی دل میں نالۂ جاں کاہ — ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ
تھا کسو کی پلک کی نم ناکی — ہے کسو خاطروں کی غم ناکی
کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا — کہیں موجب شکستہ رنگی کا
کہیں عشّاق کی نیاز ہوا — کہیں اندوہ جاں گداز ہوا

(2)

لڑکے کا ڈوبنا

سُن کے یہ حرفِ دایۂ مکّار — دِل سے اُس کے گیا شکیب و قرار
بے خبر کارِ عشق کی تہ سے — جست کی اُن نے اپنی جاگہ سے
تھا سفینے میں یا کہ دریا میں — مَوج زنجیر ہو گئی پا میں
کھنچ گیا قعر کو یہ گوہرِ ناب — تھی کشش عشق کی مگر تہِ آب
کہتے ہیں ڈوبتے اُچھلتے ہیں — لیکن ایسے کوئی نکلتے ہیں
ڈوبے جو یوں کہیں وہ جا نکلے — غرقِ دریائے عشق کیا نکلے
عشق نے آہ کھو دیا اُس کو — آخر آخر ڈبو دیا اُس کو

(3)

لڑکی کا ڈوبنا

حرف زن یوں ہوئی کہ اے دایہ — یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ
موج سے تھا کدھر کو ہم آغوش — تھا تلاطم سے کس طرف ہم دوش
تجھ کو آیا نظر کہاں آ کر — پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جا کر
مجھ کو دیجو نشان اُس جا کا — میں بھی دیکھوں خروش دریا کا
مکر میں گرچہ دایہ تھی کامل — لیک تہ سے سخن کی تھی غافل
بیچ دریا کے جا کہا یہ حرف — یاں ہوا تھا وہ ماجرائے شگرف
یاں وہ بیٹھا حباب کے مانند — پھر نہ تھا کچھ سَراب کے مانند

سنتے ہی یہ کہاں کہاں کر کر — گر گئی قصدِ ترکِ جاں کر کر
موج ہر اک کمندِ شوق تھی آہ — لپٹی اُس کو بہ رنگِ مارِ سیاہ
دامِ گستردہ عشق تھا تہِ آب — جس کے حلقے تمام تھے گرداب
حُسن موجوں میں یوں نظر آوے — نورِ مہتاب جیسے لہراوے
تھیں وہ اس کی حنائی انگشتاں — غیرت افزائے پنجۂ مرجاں
سر پہ جس دم کہ آب ہو کے بہا — سطح پانی کا آئینہ سا رہا
کششِ عشق آخر اُس مہ کو — لے گئی کھینچتی ہوئی تہ کو

معنی اور اشارے

جراحت = زخم
گہ = کبھی
طپیدن = تڑپنا
کے بیچ = میں
سرایت = اثر کرنا۔ پھیلنا
کسو خاطروں کی = کسی کسی دل کی
نیاز = درخواست
حرف = بات
شکیب = صبر
قعر = گڈھا، گہری جگہ
مگر = شاید

حرف زن ہوئی = بولی

دامِ گسترده = جال پھیلائے ہوئے

غیرت افزائے پنجۂ مرجاں = مونگے کی شاخوں کی شرمندگی بڑھانے والی۔ مونگا (مرجاں) سرخ رنگ کی ایک سمندری مخلوق ہوتا ہے۔ اُس کی شکل پنجے یا مٹھی کی طرح ہوتی ہے۔

سر پہ جس دم کہ
آب ہو کے بہا = جب پانی اُس کے سر پر سے گزر گیا۔

غور کرنے کی بات

عشق تازہ کار والے ٹکڑے کے پہلے شعر میں عشق کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں :

1. وہ تازہ کار ہے یعنی نئی نئی باتیں کرتا ہے یا ایسی باتیں کرتا ہے جو پہلے نہیں ہوئیں۔
2. وہ تازہ خیال ہے یعنی نئی نئی باتیں سوچتا ہے یا ایسی باتیں سوچتا ہے جو پہلے نہیں ہوئیں۔
3. ہر جگہ وہ نئی نئی چالیں چلتا ہے یا ہر جگہ اُس کے چلنے کا انداز اور طرح کا ہوتا ہے۔

ان باتوں کو ثابت کرنے کے لیے شاعر نے عشق کو ماضی اور حال دونوں رنگوں میں پیش کیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ ماضی سے مستقبل کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ پھر عشق کو کہیں پر اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ کوئی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے،

کہیں وہ اپنی شکل بدل لیتا ہے اور کہیں وہ کسی دوسری چیز کی وجہ بن جاتا ہے ؛ انسانوں اور انسانوں کی دنیا دونوں میں وہ نئی نئی باتیں کرتا نظر آتا ہے۔ اس پورے ٹکڑے کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ عشق دنیا کی سب سے طاقت ور چیز ہے اور اُس چیز کو شاعر کسی انسان یا جادوگر کی شکل میں دیکھ رہا ہے۔

دوسرے اور تیسرے ٹکڑے میں جو الفاظ ہیں وہ لڑکے اور لڑکی کی مناسبت سے الگ الگ طرح کے رکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دریا کی گہرائی اور موجوں کے ڈراونے پن اور ڈوبنے والوں کی بیچارگی کو بھی اشاروں اشاروں میں ظاہر کیا ہے۔ موجیں لڑکے کے پاؤں میں زنجیر ہو جاتی ہیں۔ یہی موجیں لڑکی کے لیے کالے سانپ کی طرح بن کر اس کو جکڑ لیتی ہیں۔ لڑکے کو گوہرِ ناب یعنی سچّا موتی کہا ہے اور لڑکی کی خوب صورتی کو پانی کی موجوں پر لہراتی ہوئی چاند کی کرنوں کی طرح لکھا ہے۔ خود موتی اور چاند اور دریا ایک ہی طرح کے لفظ ہیں کیونکہ موتی پانی میں ہوتا ہے اور چاند کا اثر دریا پر پڑتا ہے۔ اسی طرح کے بہت سے الفاظ ہیں جن کا آپس میں رشتہ ہے۔ جیسے : "لہروں کا جال" کہا جاتا ہے' اس لیے عشق کو پانی کی تہ میں "دامِ گسترده" کہا ہے۔ پانی کی سطح پر جو ہلکی ہلکی لہریں ہوتی ہیں اُن کو زنجیر کہتے ہیں۔ اس لیے ڈوبنے والے لڑکے کے پاؤں میں "موجوں کا زنجیر ہو جانا" بہت خوب صورت ہے۔

"مگر" کے معنی ہیں "شاید"۔ لیکن ایک دریائی جانور بھی "مگر" کہلاتا ہے۔ شاعر کو الفاظ سے اتنی دِلچسپی ہے کہ وہ "مگر تہ آب" کا فقرہ استعمال کرتا ہے یعنی "مگر" (بمعنی مگرمچھ) اور "تہ آب" (بمعنی پانی کی گہرائی) میں ایک نئی طرح کی مناسبت بھی پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح "تھا سفینے میں یا کہ دریا میں" والے مصرع میں لفظ "یا" جگہ اور وقت دونوں کی برابری ظاہر کرتا ہے۔ یعنی "وہ ابھی ابھی کشتی میں تھا اور ابھی ابھی دریا میں"۔

جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں "کسو" بہ معنی "کسی" اور "جاگہ" بہ معنی "جگہ" اب نہیں بولتے۔ آخری سے پہلے شعر میں "سطح" کو مذکر لکھا ہے، یہ اُس زمانے میں ٹھیک تھا لیکن اب غلط ہے۔

مشق اور مطالعہ

(1) "عشقِ تازہ کار" کے ہر مصرعے میں عشق کی ایک کارگزاری بیان کی ہے یعنی ہر شعر میں دو دو باتوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے کچھ کا تعلق محسوس کرنے سے، کچھ کا دیکھنے سے اور کچھ کا سننے سے ہے۔ ہر طرح کی مثال میں کم سے کم دو دو شعر منتخب کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔

(2) اس مثنوی کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

(3) میرؔ نے عشق کی عظمت کے ثبوت میں جو کچھ کہا ہے اپنے طور پر لکھیے۔

میر غلام حسن حسنؔ

(1727 — 1786)

میر حسنؔ کے خاندان کے لوگ ایران سے آکر دلّی میں بس گئے تھے۔ یہ خاندان اتنا خوش نصیب ہے کہ اردو زبان و ادب کی بڑی بڑی خدمات اس کے ہاتھوں انجام پائیں۔ میر حسنؔ کے باپ میر غلام حسین ضاحکؔ شاعر تھے۔ میر حسنؔ خود بڑے لائق شخص اور اعلا درجے کے شاعر ہوئے۔ ان کے بیٹے میر خلیقؔ اور پھر ان کے پوتے میر انیسؔ نے اردو شاعری میں مرثیہ گوئی کی نئی نئی راہیں نکالیں۔

میر حسنؔ کچھ دنوں تک میر دردؔ کے شاگرد رہے۔ جب دلّی سے بہت سے لوگوں کا تعلق ٹوٹا تو میر حسنؔ کے باپ بھی فیض آباد چلے آئے، وہاں سے لکھنؤ پہنچے اور وہیں مرے۔ میر حسنؔ نے بہت عمدہ غزلیں بھی لکھی ہیں لیکن ان کی شہرت کا اصل دار و مدار ان کی مثنوی "سحرالبیان" پر ہے۔ اس مثنوی کو میر حسنؔ نے اپنے مرنے سے کچھ ہی پہلے مکمل کیا تھا۔ "سحرالبیان" کی شہرت اور مقبولیت کے سامنے دوسروں کی مثنویاں اور خود میر حسنؔ کی مثنویاں بڑی حد تک ماند پڑ گئیں۔

میر حسنؔ کو واقعات کی باریک تفصیلات بیان کرنے، کرداروں کو